© rasailojaraid.com

ایمان وعقائد

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

'توسل واستعانت' کیا ہے؟

ادارۂ محدث کے رکن حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی شخصیت اور علمی خدمات کے تعارف پر مبنی مضامین محدث میں شائع کرنے کے علاوہ آپ کے وِرثۂ علمی کو محفوظ کرنے کے لئے مختلف رسائل میں شائع ہونے والے آپ کے تمام مقالہ جات، کتب کی فہرستیں اوران پر سیر حاصل تبصرے محدث میں باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ادارۂ محدث میں آپ کی مفصل تفسیر 'تیسیر القرآن' کی کتابت اور تدوین کا کام مکمل ہونے کے بعد الحمد للہ اب اس تفسیر کی مکمل چاروں جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر بھی آچکی ہیں۔

آپ کی رحلت پر آپ کے بعض مضامین ایسے تھے جن کی آپ بوجوہ تکمیل نہ فرماسکے تھے۔ امسال ادارۂ محدث نے ان مقالات کی اچھی طرح تکمیل اور ان میں ضروری اضافہ جات کے بعد انہیں بھی شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو نامکمل ہونے کی وجہ سے اب تک شائع نہیں ہوسکے تھے۔ مجلس التحقیق الاسلامی میں کام کرنے والے فضلا نے انہیں مکمل کیا ہے۔ چنانچہ اسی نوعیت کا ایک طویل مقالہ بعنوان ''شرک اور اس کی مروّجہ صورتیں'' محدث کے جنوری اور مارچ کے شماروں میں بالاقساط شائع ہوچکا ہے۔

'توسل واستعانت' کے موضوع پر زیر نظر مضمون بریلی کے ایک بزرگ کے رسالہ کا جواب ہے جو اُدھورا رہ گیا تھا۔ مجلس التحقیق الاسلامی کے ریسرچ سکالر حافظ مبشر حسین نے اس جواب کا دوسرا حصہ خود تحریر کیا ہے جو آئندہ شمارے میں شائع ہوگا۔ جبکہ اس مقالہ میں بعض مقامات پر انہوں نے بعض اضافہ جات کئے ہیں۔ تحقیقی تقاضوں کی تکمیل کے لئے ان اضافہ جات کے دائیں طرف ایک خط لگا دیا گیا ہے تاکہ وہ مولانا کیلانی کی تحریر سے ممتاز ہوجائیں۔ (حسن مدنی)

ہر مسلمان روزانہ اپنی نمازوں کے دوران سورۂ فاتحہ کی اس آیت ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحہ:۴) کو بیسیوں دفعہ دہراتا ہے۔ اس آیت میں إياك کے الفاظ سے جو مفہوم ابھرتا ہے، وہ یہ ہے کہ ''(اے اللہ) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔'' اس مکرر اقرار کے باوجود بہت سے مسلمان غیر اللہ سے استعانت چاہتے ہیں، پھر وہ اپنے اس فعل کو جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے کچھ دلائل بھی پیش فرماتے ہیں۔ یہاں ہم انہی دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں چند ماہ پیشتر میرے ایک دوست نے مجھے مرکزی مجلس رضا، لاہور کی مطبوعہ ایک کتاب ''ندائے یارسول اللہؐ الاستعانة والتوسل'' از قلم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان و محمد عبدالحکیم اشرف قادری، لاکر دی اور کہا کہ اس کتاب کو بنیاد بنا کران مسائل کو زیر بحث لایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالفاظِ دیگر اس کتاب کا جواب لکھنے کی استدعا کی گئی تھی۔ کتابِ مذکورہ میں غیر اللہ سے استمداد واستعانت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ بدلائل اسے مستحسن ومستحب قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ مسئلہ اس زمانے میں نہایت اہم قرار پاتا ہے کہ ایک طرف تو ہر مسلمان روزانہ اپنی نمازوں کے دوران سورۂ فاتحہ کی اس آیت ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کو بیسیوں مرتبہ دہراتا ہے، ان الفاظ سے جو مفہوم متبادر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ''(اے اللہ!) ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔'' اور دوسری طرف بہت سے مسلمان اپنی عملی زندگی میں غیر اللہ سے استمداد واستعانت چاہ بھی رہے ہیں تو آخر یہ ماجرا کیا ہے؟

استعانت کیا ہے؟

دعا یا ندا لغیر اللہ، استعانت اور توسل☆ ...... ان سب امور کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر دعا کو عبادت ہی قرار دیا گیا ہے اور حدیث میں تو بالوضاحت الدعاء هو العبادة (ترمذی: ۳۲۴۷) اور الدعاء مُخ العبادة (ترمذی: ۳۳۷۱) کے الفاظ مذکور ہیں۔ اب یہ تو مسلمہ امر ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی 'عبادت' جائز نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دعا یا ندا لغیر اللہ بھی جائز نہیں اور یہ صریح شرک ہے۔ بموجبِ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْ مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ ''یقیناً مساجد اللہ (کی عبادت) کیلئے ہیں، لہٰذا تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔'' (الجن:۱۸)

اور یہ بھی واضح ہے کہ دعا یا ندا کے بغیر 'استعانت' کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اب دیکھئے، استعانت دو طرح کے اغراض کے لئے ہی ہوسکتی ہے: (۱) جلبِ منفعت (کسی بھلائی کے حصول) یا رفع حاجات کے لئے اور (۲) دفع مضرت کے لئے جسے عام زبان میں 'مشکل کشائی' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

ان دو طرح کی اغراض کے علاوہ اور کوئی قسم نہیں، جس کے لئے کسی کو پکارا جائے یا اس سے مدد طلب کی جائے۔ قرآن میں بیسیوں مقامات پر بصراحت ذکر ہے کہ ان اغراض کے لئے اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی زبان سے بھی کہلوا دیا کہ

﴿قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (الجن:۲۱)

''آپؐ کہہ دیں: میں تمہارے لئے کسی نقصان یا نفع کا مالک نہیں۔''

یعنی دوسرے نبی/ولی تو کسی کی کیا حاجت روائی یا مشکل کشائی کریں گے۔ خود رسول اکرم ﷺ بھی یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ''میں بھی تمہیں نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' اور بعض دوسری قرآنی آیات کے مطالعہ کے بعد 'استعانت' کے متعلق جو کچھ سمجھ آتی ہے، وہ یہ ہے کہ

''اللہ کے سوا کسی ہستی کو خواہ وہ زندہ ہے یا بے جان یا کوئی فوت شدہ بزرگ، حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارنا اس صورت میں شرک ہوتا ہے جبکہ ظاہری اسباب مفقود ہوں۔''

☆ مکمل استفادہ کیلئے پہلا پڑھیں: ''[illegible]'' از عبدالجبار سلفی (محدث: مئی ۲۰۰۰ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر ظاہری اسباب موجود ہوں یعنی جس سے مدد طلب کی جا رہی ہے، وہ پاس ہی موجود ہو تو اس کو پکارنا، مدد کے لئے کہنا، اس سے دعا کروانا، غرضیکہ سب کچھ جائز ہوگا اور اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہوگا۔ اور مذکورہ کتابچے (صفحہ:۱۲) میں جن قرآنی آیات یا احادیث کو استعانت کے بغیر اللہ کیلئے بطورِ دلیل ذکر کیا گیا ہے، ان کا تعلق ظاہری اسباب سے ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ آیت پیش کی گئی ہے: ﴿كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ......﴾ (الصّف:۱۴)

''جیسے عیسیٰ ابن مریمؑ نے حواریوں سے کہا تھا کہ اللہ کی طرف (بلانے میں) کون میرا مددگار ہے؟''

اس آیت کو انصاف سے دیکھا جائے تو اس میں کہیں یہ بات دکھائی نہیں دے گی کہ معاذ اللہ حضرت عیسیٰؑ نے غیر اللہ (اپنے ساتھیوں) سے مافوق الاسباب امر میں مدد طلب کی ہو بلکہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے جس استعانت کا تقاضا کیا، وہ ظاہری اسباب کے تحت کی جانے والی ممکن الاستطاعت تعاون ہے، وگرنہ اس سے دو قباحتیں لازم آئیں گی:

(۱) حضرت عیسیٰؑ نے (معاذ اللہ) شرک کا ارتکاب کیا حالانکہ یہ ناممکن بات ہے!

(۲) خود ایک برگزیدہ نبیؑ نے اپنے سے کم تر درجے کے افراد کے سامنے دستِ سوال دراز کیا حالانکہ اگر اس عمل کو ماتحت الاسباب میں شامل نہ سمجھا جائے تو اس میں حضرت عیسیٰؑ کی توہین واہانت لازم آئے گی!! اللہ ہمیں اس گستاخی سے معاف رکھے۔ مزید تفصیل 'بے کار دلائل' میں ملاحظہ فرمائیے۔

اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیں گے جن کی بنیاد پر استمداد بغیر اللہ کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا گیا ہے:

پہلی دلیل: ذاتی اور عطائی کا فلسفہ

عقیدۂ استمداد سے متعلق جناب احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

''اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا بایں معنی کہ اگر دفع مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے یا حاجتِ فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے۔ بلکہ کسی کے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے جو بالیقین تمام وہابی صاحب روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے، سب قطعی شرک ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کردینے پر خود انہیں اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر وشرک میں کیا شبہ رہا؟ اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہر عونِ الٰہی و واسطہ و وسیلہ وسبب سمجھنا، اس معنی پر حضرات انبیا، اولیا علیہم افضل الصلوٰۃ سے کیوں شرک ہونے لگی؟'' (برکات الامداد: ص ۲۸، ۲۹ از احمد رضا خان بریلوی، بحوالہ رسالہ مذکور، ص ۵، ۶)

مندرجہ بالا اقتباس میں امامِ اہلسنّت نے مغالطہ یہ دیا ہے کہ جتنی مثالیں بیان فرمائی ہیں، سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہری اسباب سے متعلق ہیں۔ ان باتوں سے کسی کافر کو انکار ہوسکتا ہے نیز آپ کی وہابی صاحبان سے برہمی اس وجہ سے بے محل ہے کہ جو امداد ظاہری اسباب کی بنا پر لی یا دی جارہی ہو، اسے کوئی سخت سے سخت وہابی بھی شرک نہیں کہتا۔ یہ شرک صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ ظاہری اسباب مفقود ہوں جیسے کسی کا یوں پکارنا کہ

امداد کن امداد کن   از رنج وغم آزاد کن   در دین و دنیا شاد کن   یا شیخ عبدالقادرا!

یا کسی پنجابی مسلمان کا منجدھار میں پھنسنے کی حالت میں یوں پکارنا: یا بہاء الحق! بیڑا بنّے دھک

علاوہ ازیں امام موصوف نے ذاتی قدرت اور عطائی قدرت کا مذکورہ بالا مثالوں سے متعلق جو فلسفہ پیش فرمایا ہے، وہ بھی قطع نزاع کے سلسلہ میں بے کار ہے۔ جس بات کو آپ صریح شرک فرمارہے ہیں یعنی حکیم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اپنی قدرت سے شفا دے رہا ہے اور دوائی کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ بالخاصہ شفا بخش رہی ہے وغیرہ وغیرہ تو ایسا شرک کوئی مسلمان بھی نہیں کرتا کیونکہ یہ سب باتیں ظاہری اسباب کے تحت آرہی ہیں۔ شرک کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب ظاہری اسباب مفقود ہوں۔ مثلاً گذشتہ مثالوں میں اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر شیخ عبدالقادر کو پکارتا ہے کہ حقیقی عطا کنندہ تو واقعی اللہ تعالیٰ ہے۔ شیخ عبدالقادر تو محض اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت وقوت کے تحت ہی امداد کرسکتے ہیں یا شیخ بہاء الحق بھی منجدھار سے بیڑا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کے ذریعہ ہی پار لگا سکتے ہیں تو ایسی پکار صریح شرک ہوگی۔ اس ذاتی اور عطائی قدرت کے فلسفہ کے تو مشرکین مکہ بھی قائل تھے۔ وہ جب حج کے دوران تلبیہ پکارتے تو یوں کہتے:

"عن ابن عباس رضی الله عنه قال: كان المشركون يقولون لبيك لا شريك لك لبيك قال فيقول: رسول الله ﷺ ويلكم قد قد. فيقولون: إلا شريكا هو لك تملكه وما ملك. يقولون هذا وهم يطوفون البيت" (مسلم: کتاب الحج، باب التلبیہ)

"عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: مشرکین کہا کرتے تھے: لبيك لا شريك لك۔ تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: تمہاری خرابی ہو، یہیں تک رہنے دو (یعنی آگے کچھ نہ کہو) لیکن وہ اس کے آگے کہتے: مگر ایک شریک جو تیرے ہی لئے ہے تو ہی اس کا مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں...... اس وقت یہ کہتے جب وہ بیت اللہ کا طواف کررہے ہوتے تھے۔"

مندرجہ بالا حدیث پر مسلم شریف کے مترجم علامہ وحید الزمان کا حاشیہ یہ ہے:

"غرض اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی اپنے شریکوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا مالک جانتے تھے اور ان کو کسی شے کا مالک نہ جانتے تھے۔ تاہم ان کو پکارنا اور اپنا سفارشی اور وکیل قرار دینا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے مشرک ہونے اور ابدالآباد دوزخ میں جھونکنے کو کافی تھا۔ پس معلوم ہوا کہ جو اپنا حمایتی اور وکیل اور سفارشی سمجھ کر بھی کسی کی عبادت کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کو دور دور سے پکارے تو وہ بھی مشرک ہوجاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ لبیك لا شریك لك پر فرماتے تھے کہ یہیں تک رہنے دو۔ مگر وہ ملاعنین کب سنتے تھے۔''

حدیثِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ جو کام اپنے بتوں سے لیتے تھے، وہی کام آج کا مسلمان اپنے زندہ یا فوت شدہ بزرگوں سے لیتا ہے۔ ان کے بت بھی فوت شدہ بزرگوں ہی کے مجسمے ہوتے تھے۔ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان مجسّموں سے ان بزرگوں کی روحوں کا تعلق قائم ہے جن کے یہ مجسمے تھے اور یہی عقیدہ آج کے مسلمان کا ہے۔ وہ بھی قبروں پر چلہ کشی اسی لئے کرتا ہے کہ اس بزرگ کی روح کا تعلق بدستور اس قبر سے قائم ہے۔ مشرکین مکہ اور موجودہ مسلمان میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف یہ کہ وہ کھلے دل سے یہ کہہ دیتے تھے کہ یہ ہیں تیرے شریک ہی، تیرے برابر نہ سہی چھوٹے سہی۔ گو ان کا بھی حقیقی مالک تو ہی ہے اور وہ حقیقتاً کسی چیز کے بھی مالک نہیں، تاہم وہ تیرے شریک ہیں۔ لیکن آج کا مسلمان انہیں شریک نہ کہنے کے باوجود ان کے سپرد وہی کام کرتا ہے جو کام مشرکین اپنے بتوں کے سپرد کرتے تھے اور یہ تو ظاہر ہے کہ نام نہ لینے یا نام بدل لینے سے اصل حقیقت میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔

حیلہ نمبر۲: حقیقت اور مجاز کا فلسفہ

صاحبِ رسالہ فرماتے ہیں کہ

''نسبت کی دو قسمیں ہوتی ہیں: (۱) حقیقتِ عقلیہ اور (۲) مجازِ عقلی۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبزہ اگایا تو یہ حقیقتِ عقلیہ ہے کیونکہ سبزہ اگانا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ امیر نے شہر بنایا تو یہ مجازِ عقلی ہے کیونکہ حقیقتاً بنانے والے تو مستری اور مزدور ہیں۔ امیر تو ایک سبب ہے جس کی طرف نسبت کردی گئی۔

اب اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ اگر ایک موحد یہ کہے کہ موسم بہار نے سبزہ اگایا تو اسے اِسنادِ مجازی کہا جائے گا۔ کیونکہ موحد کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ سبزہ اگانا موسم بہار کی صفت ہے، جبکہ یہی بات اگر اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر کہے گا تو اسے حقیقت کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر کافر نے کہا کہ طبیب نے مریض کو شفا دی تو یہ حقیقت ہے۔ یہی بات اگر مؤمن نے کہی تو اسے مجازِ عقلی کہا جائے گا اور اس کا ایماندار ہونا اس بات کی علامت ہوگا کہ وہ شفا کی نسبت طبیب کی تعریف اس لئے کررہا ہے کہ وہ شفا کا سبب ہے، اس لئے نسبت نہیں کررہا کہ فی الواقع طبیب نے شفا دی۔ شفا دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اس گفتگو پر غور کرلینے سے مسئلہ استعانت کی حیثیت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ کیونکہ انبیاء واولیا سے مدد چاہنے والا اگر مؤمن ہے تو اس کا ایماندار ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے نزدیک کارسازِ حقیقی، مقاصد کا پورا کرنے والا، حاجتیں برلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، ان اُمور کی نسبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انبیاء و اولیا کی طرف مجازِ عقلی کے طور پر کی گئی ہے۔ وہ مقاصد کے پورا ہونے کے لئے سبب اور وسیلہ ہیں۔" (رسالہ مذکور صفحہ ۷ تا ۹، ملخصا)

اسی فلسفہ کو مولانا حالیؒ نے درج ذیل اشعار میں یوں بیان فرمایا کہ

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پر دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے!

اب مولانا حالی اور مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کے افکار کی مطابقت کی صورت یہ ہوگی کہ اگر کافر (یعنی ہندو یا کفارِ مکہ یا کوئی غیر مسلم) بت کو سجدہ کرتا ہے تو اسے حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور اس لئے حقیقت پر محمول کیا جائے گا کہ وہ کافر ہے اور اگر ایک مؤمن اسی بت کو سجدہ کرے تو اسے مجازِ عقلیہ پر محمول کیا جائے گا اور اس لئے کیا جائے گا کہ وہ مؤمن ہے اور سمجھتا ہے کہ حقیقی معبود تو واقعی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ بت یا آستانہ تو محض ایک سبب اور مظہر عونِ الٰہی ہے لہٰذا اس کی تعظیم اور پوجا پاٹ بھی حقیقت میں اللہ ہی کی پوجا پاٹ ہے۔ وقِس علی هذا!

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ کیا خود کو مؤمن اور ایماندار سمجھ لینے سے ایسے افعال کی بجاآوری واقعی مجازِ عقلیہ بن جاتی ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہوتا؟ ہمارے خیال میں یہ کلیہ ہی غلط ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ بھی خود کو دین ابراہیمی کے پاسبان سمجھتے تھے اور جو شخص ان شرکیہ افعال کو چھوڑ کر مسلمان ہوجاتا، اسے کہتے تھے کہ یہ صابی یا بے دین یا بد مذہب ہوگیا۔ ان کو قرآن نے مشرکین کے لقب سے نوازا تھا۔ ورنہ وہ خود کو مشرک یا کافر کہلوانے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ان کے حق میں ان کی اپنی شہادت ناقابل قبول نہیں تو کیا ان حضرات کی اپنے حق میں ایمانداری کی شہادت معتبر سمجھی جاسکتی ہے؟ قرآن کی شہادت تو یہی ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو مؤمن یا ایماندار کہتے یا سمجھتے ہیں، ان میں سے اکثریت مشرک ہی ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف:۱۰۶)

"اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن وہ مشرک ہوتے ہیں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ غلط تعبیریں

''استعانت اور توسل ایک ہی شے ہے۔ اللہ تعالیٰ مقصودِ اصلی ہے، اسے وسیلہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اشیا خواہ وہ ذوات ہوں یا اعمالِ صالحہ، کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور ان سے استعانت بھی جائز ہے۔ کیونکہ توسل اور استعانت اگرچہ الگ الگ الفاظ ہیں لیکن ان کی مراد ایک ہے۔ امام علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ جب مطلب ظاہر ہوگیا تو اب تم اس طلب کو توسل کہو یا تشفع، استغاثہ کہو یا تجوّہ یا توجہ کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ان سب کا مطلب ایک ہے۔'' (ایضاً: ص۶،۷)

اقتباسِ بالا میں قادری صاحب کے ارشاد کے مطابق استعانت اور توسل ایک ہی شے ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں صفحہ ۵ سے صفحہ ۳۶ تک استعانت کا ذکر فرمایا اور دوسرے حصے میں صفحہ ۳۷ سے لے کر صفحہ ۶۴ تک توسل کا۔ اگر استعانت اور توسل ایک ہی شے ہے تو ان کو الگ الگ کرکے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

فی الحقیقت استعانت اور توسل ایک چیز نہیں، بلکہ دو چیزیں ہیں۔ دیکھئے ایک آدمی میرے پاس بیٹھا ہے، میں اسے کہتا ہوں: براہِ کرم مجھے یہ کتاب پکڑا دیں۔ تو یہ استعانت کے لفظ کا بالکل اطلاق ہوگیا۔ اس میں توسل کی کوئی بات نہیں، نہ ہی اس کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ استعانت چونکہ ظاہری اسباب سے متعلق ہے لہٰذا جائز اور درست ہے۔ گویا استعانت کا معاملہ دو ذاتوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن توسل تو ان دو ذاتوں کے درمیان ایک تیسری چیز کا نام ہے۔ یعنی ایک مانگنے والا، دوسرا دینے والا اور تیسری چیز وہ ذریعہ ہے جسے درمیان میں لاکر مانگنے والا مانگتا ہے۔ اس تیسری چیز کا نام 'وسیلہ' ہے اور اس وسیلہ کو درمیان میں لاکر مانگنے کے عمل کو 'توسل' کہتے ہیں۔

امام علامہ تقی الدین سبکی امام اور علامہ تو ہوں گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں لغت سے کم ہی شغف رہا ہے کیونکہ آپ نے جو توسل کے مترادف الفاظ بیان فرمائے ہیں، ان سب میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے جو ہم یہاں ذیل میں واضح کئے دیتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قادری صاحب نے توسل کا مترادف یا ہم معنی جو لفظ بتلایا تھا یعنی استعانت، امام اور علامہ صاحب نے اس لفظ کا ذکر ہی نہیں کیا۔

توسل: توسل إلى الله بعمل أو وسيلة یعنی اللہ تک تقرب حاصل کرنا

الواسله والوسیلة یعنی ذریعہ تقرب، مرتبہ، درجہ (منجد عربی/اردو)

توسل بمعنی نزدیکی جتن بچیزے وبکارے (منتہی الادب)

توسل بمعنی رغبت (مفردات القرآن) توسل بمعنی حاجت (لسان العرب)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشفع: بمعنی سفارش کے لئے کہنا (منجد)، شفاعت کرنا (منتہی الادب)

استغاثة: غوث سے، بمعنی مدد کے لئے چلانا اور استغاث یعنی مدد چاہنا (منجد)

غوث یعنی فریاد وفریادرس۔

استغاثة یعنی فریاد خواستن (منتہی الادب)

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ توسل، استعانت اور شفاعت میں فرق ہے۔ علاوہ ازیں توسل کے لغوی معانی میں تین چیزیں شامل ہیں: (۱) تقرب (۲) رغبت (۳) اور حاجت وضرورت، جبکہ اصطلاحِ شرع میں اللہ کے رسولؐ کی اطاعت میں اعمالِ صالحہ بجالانا اور ان اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ کی رضا تلاش کرنے کو 'توسل' سے موسوم کیا جاتا ہے: ﴿يايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة﴾ (المائدۃ:۳۵) کا یہی مفہوم صحابہ، تابعین اور مفسرین سے منقول ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۵۲/۲، ۵۳) اور قاعدۃ فی التوسل لابن تیمیہ (ص ۴۸)

سلف صالحین میں وسیلہ کا یہی مفہوم رائج تھا جبکہ متاخرین نے 'رضاے الٰہی کے حصول کے لئے انبیاء واولیا کی ذاتوں اور غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے' کو بھی وسیلہ کہنا شروع کردیا ہے۔ اس طرح ایک شرکیہ عمل کے جواز کی مذموم کوشش کرکے مسلمانوں کو گمراہ کیا جانے لگا۔

چوتھا طریقہ: مغالطہ آفرینی اور فریب دہی

قادری صاحب فرما رہے ہیں کہ "یہی عقیدہ امام احمد رضا بریلوی نے بیان کیا ہے۔" فرماتے ہیں:

> "جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہی ہوگا اور ایک کیلئے شرک نہیں تو وہ کسی کیلئے شرک نہیں ہوسکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہوسکتے، زندہ ہوسکتے ہیں؟ دور کے نہیں ہوسکتے، پاس کے ہوسکتے ہیں؟ انبیا نہیں ہوسکتے، کلیم ہوسکتے ہیں؟ انسان نہیں ہوسکتے فرشتے ہوسکتے ہیں؟ حاشاللہ، اللہ کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا۔" (برکات الامداد: ص ۲۸ بحوالہ رسالہ مذکور ص ۲۷)

مندرجہ بالا اقتباس میں امام اہلسنّت نے زبان ذرا مغلق استعمال فرمائی ہے، ہم اسے آسان زبان میں پیش کرکے اس کا جواب دیں گے۔ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر زندوں سے استعانت جائز ہے اور شرک نہیں تو مردوں سے استعانت کیسے شرک بن سکتی ہے؟ اس اقتباس سے پیشتر نواب وحید الزمان کے حوالہ سے زندوں اور مردوں سے استعانت کو ایک سطح پر رکھنے کے لئے جو دلیل پیش کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر زندہ سے استعانت جائز ہے تو مردہ سے بھی جائز ہونی چاہئے کیونکہ غیر اللہ ہونے میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہیں عقل عیار کے کرشمے۔ مردوں سے استعانت میں شرک کا حقیقی سبب تو ظاہری اسباب کا فقدان ہے جس کا ذکر تک نہیں کیا اور اس کے عوض قاری کا ذہن ایک غلط قسم کی توجیہ...... کہ غیر اللہ ہونے میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں ...... کی طرف موڑ کر مطلب براری کی کوشش کی گئی ہے۔

امام موصوف کا باقی ماندہ اقتباس بھی اس قسم کی مغالطہ آفرینی پر مشتمل ہے۔ مثلاً آگے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ کیا اللہ کے شریک دور کے ہوسکتے ہیں، نزدیک کے نہیں ہوسکتے؟ اس کا بھی مطلب وہی ہے کہ اگر پاس والے سے استعانت جائز ہے تو دور والے سے استعانت کیسے شرک ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دور والے سے استعانت اس لئے شرک ہے کہ ظاہری اسبابِ استعانت مفقود ہیں۔ گویا شرک کے اصل سبب کو یہاں بھی اخفا میں رکھا گیا ہے۔

اسی طرح آپ کا تیسرا سوال ہے کہ اگر کلیم سے استعانت جائز ہے تو انبیا سے کیوں جائز نہیں اور اسے 'شرک' کیوں کہا جاتا ہے۔ اسی سوال کا جواب بھی اوپر واضح کردیا گیا ہے۔ چوتھا سوال آپ کا یہ تھا کہ اگر فرشتوں سے استعانت طلب کی جاسکتی ہے تو انسانوں سے کیوں نہیں کی جاسکتی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال آپ نے محض وزنِ بیت کے طور پر درج فرما دیا ہے کیونکہ فرشتوں سے استعانت تو بجائے خود شرک ہے، پھر اسے بنیاد بنا کر اس سے انسانوں سے استعانت کا جواز ثابت کرنا چہ معنی دارد؟

اقتباس کے آخر میں جو فقرہ درج فرمایا، اس کا کوئی جواب نہیں۔ فرماتے ہیں: ''لا حاشا اللہ، اللہ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا'' ...... اب سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا تو مشرکین مکہ کا آخر کیا جرم تھا؟

۵۔ بے کار دلائل

اس طریق کار کا ایک حصہ یہ ہے کہ آپ نے استعانت کے سلسلہ میں قرآن سے بھی چند آیات بطورِ دلائل پیش فرمائی ہیں۔ پہلے تو بہت تعجب ہوا کہ بریلوی عقائد اور ان کا استشہاد قرآن سے ہو۔ فیا للعجب مگر بغور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ دلائل ان کے عقیدہ کے لحاظ سے بالکل بیکار ہیں۔ جو پانچ آیات رسالہ مذکور کے صفحہ ۱۲ اور ۱۳ پر مذکور ہیں، ان سب میں ایسی استعانت کا ذکر ہے جو ظاہری اسباب کے تحت آتی ہے اور ایسی استعانت جب ہم پہلے ہی جائز اور درست تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان آیات سے دلائل مہیا کرنے کا فائدہ کیا تھا!! ...... اسی طرح استعانت کے جواز کے سلسلہ میں مسلم کی ایک روایت بھی پیش کی گئی ہے جو بمعہ ترجمہ وتشریح درج ذیل ہے:

"عن ربيعة بن كعب قال: كنت أبيت مع رسول الله ﷺ فأتيته بوضوئه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحاجته فقال لی: سَلْ، فقلت: اسئلك مرافقتك فی الجنة: قال أوغیر ذلك: قلت هو ذاك: قال: فأَعِنِّی علی نفسك بكثرة السجود" (رواہ مسلم: حدیث۷۵۴)

''حضرت ربیعہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گزارا کرتا تھا۔ (ایک رات جب) میں نے آپ کی خدمت میں وضو کا پانی اور دیگر ضرورت کی اشیا (مسواک وغیرہ) پیش کیں تو آپؐ نے فرمایا: کچھ مانگ لے۔ میں نے کہا: میں آپ سے جنت میں آپؐ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کچھ اور، میں نے عرض کیا: بس یہی کچھ۔ آپؐ نے فرمایا: تو میری امداد کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔''

غور کیجئے! حضرت ربیعہؓ بارگاہِ رسالتؐ میں اپنی دلی مراد کا سوال پیش کررہے ہیں۔ جواباً حضور اکرم ﷺ انہیں منع نہیں فرماتے کہ تم مجھ سے کیوں مانگ رہے ہو۔ جنت چاہتے ہو تو خدا سے مانگو۔ میں کون ہوتا ہوں، جنت دینے والا۔ بلکہ ان سے وعدہ فرمایا جاتا ہے، ان سے مدد طلب کی جاتی ہے کہ سجدے کثرت سے ادا کرو۔ جنت میں میری رفاقت عطا کردی جائے گا۔'' (رسالہ مذکورہ: صفحہ۱۴)

اب دیکھئے مندرجہ بالا حدیث کی رو سے مدد طلب کرنے والے ربیعہ بن کعبؓ اور جن سے مدد چاہی جارہی ہے وہ رسول اکرم ﷺ ہیں۔ اور دونوں آمنے سامنے ہیں۔ مدد کا ذریعہ یا وسیلہ اعمالِ صالحہ یا کثرتِ سجود ہے۔ ایسی صورت میں استعانت تو بالاتفاق جائز ہے۔ پھر معلوم نہیں، اس حدیث کے ذکر کرنے سے آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟

البتہ حدیث کی تشریح میں قادری صاحب کے چند جملے قابل غور ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت ربیعہ بن کعبؓ کے اس سوال پر یہ نہیں فرمایا کہ جنت چاہتے ہو تو خدا سے مانگو، میں کون ہوتا ہوں دینے والا؟''

اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے اس صحابی کو واقعی جنت دے دی تھی؟ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی شرط پر جنت کی خوشخبری دینا سب پیغمبروں کا کام ہوتا ہے۔ چونکہ اس صحابی نے جنت کے علاوہ آپ کی رفاقت کا بھی سوال کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپؐ نے کثرت السجود کی اضافی شرط بھی عائد کردی۔

اسی حدیث کو آگے چل کر قادری صاحب نے توسل کے بیان میں بھی بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

''نبی اکرم ﷺ سے توسل کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چیز آپ سے طلب کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ بارگاہِ الٰہی میں دعا، شفاعت کے ذریعہ سبب بننے پر قادر ہیں۔ اس کا مآل یہ ہوگا کہ آپ سے دعا کی درخواست ہے۔'' (ایضاً: صفحہ۴۵)

اس تشریح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک زندہ شخص دوسرے زندہ شخص کو دعا یا شفاعت کے لئے کہہ سکتا ہے اور یہ دعا یا شفاعت وسیلہ بن سکتی ہے تو ان باتوں سے تو کسی کو انکار نہیں۔ معلوم نہیں قادری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب اس حدیث سے کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟

۶۔ غلط استدلال

عہدِ فاروقی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو بارش کی دعا کرنے کے لئے کہا اور خود یوں فرمایا:

''یا اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کر دیا کرتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری طرف وسیلہ بناتے ہیں تو ہمیں سیراب کر۔ (حضرت انس بن مالکؓ، راوی) کہتے ہیں تو انہیں بارش عطا کر دی جاتی۔''

اس حدیث کا متن بمعہ ترجمہ پیش کرنے کے بعد قادری صاحب لکھتے ہیں کہ

''ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے نبی اکرم ﷺ کی بجائے حضرت عباسؓ کا وسیلہ پیش کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد توسل جائز نہیں۔ یہ کھلا ہوا مغالطہ ہے کیونکہ: (۱) اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بارگاہِ الٰہی میں صرف اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا ہی جائز نہیں۔ بلکہ ذواتِ صالحین کا وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہے اور اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ کیونکہ یہ دعا صحابہ کرامؓ کے اجماع میں مانگی گئی اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ جبکہ تمہیں اس سے انکار ہے اور (۲) اگرچہ حضرت عباسؓ وہ برگزیدہ ہستی ہیں کہ خود ان کا وسیلہ بھی پیش کیا جا سکتا تھا لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے یوں عرض کیا کہ یا اللہ! ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ تو یہ دراصل حضورِ اکرم ﷺ کا ہی وسیلہ ہے۔'' (رسالہ مذکور، صفحہ ۵۸)

اب دیکھئے کہ اس حدیث سے جو نتائج سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ

۱۔ فوت شدہ اولیا تو درکنار انبیا بلکہ رسول اکرم ﷺ کا وسیلہ بھی جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو عمر فاروقؓ کو حضرت عباسؓ کو سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی۔ قادری صاحب کا یہ ارشاد کہ نبی کے چچا کا وسیلہ گویا نبی کا ہی وسیلہ تھا، بھی ایک فریب ہے۔ جب آپ کے نزدیک براہِ راست رسولِ اکرم ﷺ کی روح کو بعد از وصال وسیلہ بنایا جا سکتا ہے تو درمیان میں ان کے کسی بھی رشتہ دار کا واسطہ لانا گویا اصل وسیلہ کو خود ہی کمزور کر دینے کے مترادف ہے!

۲۔ رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ بھی یہ تھا کہ وہ دعا یا سفارش کرتے اور حضرت عباسؓ نے بھی دعا ہی کی۔ تو اس لحاظ سے بھی اعمالِ صالحہ ہی وسیلہ قرار پاتے ہیں اور یہی بات فریقین میں مسلم ہے۔ رہا ذوات کے وسیلہ کا مسئلہ تو کم از کم یہ حدیث قطع نزاع کے سلسلہ میں مفید مطلب نہیں ہے۔ ذوات کا توسل صرف اس صورت میں ثابت ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی فوت شدہ یا غائب بزرگ کا واسطہ دے کر خود دعا کرے اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں پیش آیا۔ جسے ہم اس رسالہ کے صفحہ ۵۹ سے، قادری صاحب کی زبان میں ہی پیش کرتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ اور اہل دمشق بارش کی دعا کے لئے باہر نکلے، جب حضرت امیر معاویہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا: یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں بلایا تو وہ پھلانگتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت امیر معاویہ کے حکم سے وہ منبر پر چڑھے۔ حضرت امیر معاویہ نے دعا مانگی: اے اللہ! آج ہم بہتر اور افضل شخصیت کی سفارش پیش کرتے ہیں، اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں یزید الاسود بن الجرشی کی سفارش پیش کرتے ہیں۔ یزید! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاؤ۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے، لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ اچانک مغرب کی طرف سے ایک بادل اٹھا۔ ہوا چلنے لگی اور زوردار بارش شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہوگیا''۔

یہ روایت بیان کرنے کے بعد قادری صاحب فرماتے ہیں کہ

''اس اجتماع میں صحابہ کرامؓ بھی موجود ہیں، تابعین بھی حاضر ہیں۔ ان میں سے کسی نے ایک مردِ صالح کے وسیلے سے دعا مانگنے پر اعتراض نہیں کیا۔ یہ بھی ان حضرات کا جواز توسل پر اجماع ہے۔'' (رسالہ مذکور: صفحہ ۵۹)

اب قادری صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ ایک زندہ سلامت مرد صالح سے دعا کروانے پر کسی کو اعتراض ہے؟ اعتراض تو اس بات پر ہے کہ آپ حضرات جب کسی فوت شدہ یا غائب بزرگ کا وسیلہ پکڑتے ہیں تو کیا اس واقعہ سے آپ کا یہ عقیدہ ثابت کیا جاسکتا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ یہاں بھی مردِ صالح کی ذات کو نہیں بلکہ اس کی دعا کو وسیلہ بنایا گیا ہے اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں کہ کسی مردِ صالح سے دعا کروانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ آپ ان ذواتِ صالحہ سے دعا کروانے کی بجائے خود ان ذوات ہی کو پکارنے اور انہی سے مدد مانگنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ قطعی طور پر شرک ہے۔ اگر آپ اسے جائز سمجھتے ہیں تو قرآن وحدیث سے کوئی ایسی صریح دلیل پیش کریں جس میں غیر اللہ کو مافوق الاسباب کاموں میں استعانت کے لئے پکارنے کا جواز ہو، حالانکہ ایسی کوئی ایک دلیل بھی نہیں!

غائب ہستیوں سے توسل کے ثبوت کیلئے
ضعیف اور موضوع احادیث کا سہارا

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ

''حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمؑ سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے دعا مانگی: اے میرے ربّ! میں تجھ سے محمد مصطفیؐ کے وسیلے (یہ لفظ 'بحق' کا قادری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ ہے) سے دعا مانگتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم! تم نے محمد مصطفیؐ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے ابھی انہیں پیدا بھی نہیں کیا۔ عرض کیا، میرے ربّ! جب تو نے میرا جسم اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور میرے اندر روحِ خاص پھونکی تو میں نے سر اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' لکھا ہوا ہے۔ میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اس ہستی کا نام لکھا ہوا ہے جو تجھے تمام خلق سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا۔ وہ مجھے تمام خلق سے زیادہ محبوب ہے، تم مجھ سے ان کے وسیلے سے دعا مانگو۔ میں نے تمہاری مغفرت فرما دی۔ اگر محمد مصطفیؐ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' (مستدرک حاکم، کتاب التاریخ: ۶۱۵/۲، بحوالہ رسالہ مذکورہ، صفحہ ۴۲)

قادری صاحب کی پیش کردہ یہ دلیل محدثین کے ہاں ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع (جھوٹی) اور من گھڑت بھی ہے۔ کبار محدثین نے اس حدیث پر موضوع (ضعیف) ہونے کا حکم لگایا ہے۔ قادری صاحب نے مستدرک حاکم کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کرکے کمال علمی خیانت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ مذکورہ کتاب کے محولہ صفحہ (۶۱۵/۲) پر ہی امام ذہبیؒ نے اس حدیث پر تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

قلت: "بل موضوع وعبدالرحمن واه"

''میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور عبدالرحمٰن (بن زید بن اسلم) راوی کمزور ہے۔''

حافظ ذہبیؒ جیسے ثقہ اور ماہر محدث کے فیصلے کو چیلنج کرنا کوئی معمولی بات نہیں لیکن قادری صاحب نے حافظ ذہبیؒ کے فیصلے پر علمی بحث کرنے کی بجائے اسے ہڑپ کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

اور صرف امام حاکم کے حوالے سے یہ ذکر کردیا کہ ''اس کی سند صحیح ہے۔'' حالانکہ یہ بات معروف ہے کہ امام حاکم احادیث پر حکم لگانے میں متساہل ہیں اور مذکورہ مثال بھی اس تساہل کی ترجمانی کرتی ہے کیونکہ امام حاکم نے خود ہی اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں 'المدخل' میں یہ بات کہی ہے کہ "روى عن أبيه أحاديث موضوعة لا يخفى على من تأملها من أهل الصناعة أن الحمل فيها عليه" (ص:۱۵۴)

''یہ (عبدالرحمٰن) اپنے والد سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے جیسا کہ اہل فن میں سے معمولی سا غور وفکر کرنے والوں پر بھی یہ بات مخفی نہیں۔''

لہٰذا جب امام حاکم نے خود ہی اس روایت کے مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ جعلی احادیث بیان کرتا ہے اور دیگر ائمہ مثلاً امام ذہبی (میزان الاعتدال: ۵۰۴/۲) وغیرہ نے بھی اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے تو پھر یہ حدیث 'صحت' کے معیار تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟

علاوہ ازیں حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان (۳۵۹/۳) میں اس روایت کو باطل، من گھڑت قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے الرد علی البکری (ص:۲۱) اور منہاج السنۃ (۱۳۱/۷) میں اسے بے بنیاد کہا ہے۔ ابن عبدالہادی نے الصارم المنکی (ص:۳۶) میں اور علامہ البانیؒ نے السلسلۃ الضعیفۃ (۳۸/۱) اور التوسل (ص:۱۰۲) میں اس روایت کو جعلی اور من گھڑت ثابت کیا ہے۔

یہ روایت موضوع ہونے کے ساتھ قرآنِ مجید کی صریح نصوص کے بھی خلاف ہے کیونکہ قرآنِ مجید میں ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی لغزش کی معافی کے لئے یہ دعا کی تھی: ﴿ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین﴾ (الاعراف:۲۳)

''اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

۲۔ حدیثِ اعمیٰ

حضرت عثمان بن حنیفؓ راوی ہیں کہ ایک نابینا صحابی بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوکر درخواست کرتے ہیں کہ میرے لئے بینائی کی دعا فرمائی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا: اگر چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور چاہو تو صبر کرو اور صبر تمہارے لئے بہتر ہے۔ انہوں نے عرض کیا: دعا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت ادا کرو اور یہ دعا مانگو:

"اللهم انی أسئلك وأتوجه إليك بمحمد نبی الرحمة يا محمد إنی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی، اللهم شفعه فیّ" (مستدرک حاکم: ۵۱۹/۱، بیروت)

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمدؐ! میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے ربّ کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ یہ پوری کر دی جائے۔ اے اللہ میرے حق میں حضورؐ کی شفاعت قبول فرما۔''

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ ابھی ہم وہیں بیٹھے تھے کہ وہ صاحب تشریف لائے۔ ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کبھی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔'' (رسالہ مذکور، صفحہ ۴۸، معجم صغیر للطبرانی، صفحہ ۱۰۳)

علامہ ابن تیمیہؒ نے 'قاعدہ فی التوسل' (صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۵) میں اس حدیث پر تفصیلی بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ اس کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے اور اس حدیث کے ایک راوی ابوجعفر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ

''اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو پھر بھی اس سے نبی کریم ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوسکتا کیونکہ مذکورہ صحابی نے آپؐ کی دعا کو وسیلہ سمجھتے ہوئے آپؐ سے دعا کی درخواست کی تھی۔ چونکہ یہ آپؐ کا معجزہ ثابت ہوا کہ آپ کی دعا سے اس کی بینائی لوٹ آئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے علما نے اس حدیث کو حضورؐ کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ نابینا صحابی حضورؐ کی ذات کو وسیلہ بنا رہا تھا بلکہ وہ تو حضورؐ کی مقبول دعا کو وسیلہ بنا رہا تھا۔ اسی لئے اس نے آکر سب سے پہلے یہی بات کہی کہ "ادع الله أن يعافيني" آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے صحت عطا کردے۔ آپؐ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں دعا کردیتا ہوں لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ لیکن اس نے اصرار کیا کہ آپؐ میرے لئے دعا ہی فرمائیں۔ پھر اس روایت کے آخر میں بھی اس نابینے صحابی نے یہ کہا کہ ''یا اللہ! میرے حق میں حضورؐ کی شفاعت قبول فرما۔

لہٰذا اس روایت کے ہر ہر جملے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ وہ صحابیؓ آپ کی ذات کو وسیلہ نہیں بنا رہا بلکہ آپؐ کی دعا کو وسیلہ سمجھ کر آپؐ سے اپنے حق میں دعا کروانے کا اصرار کرتا ہے اور دعا کا وسیلہ تو مشروع ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اس نابینا کے لئے دعا کی اور اس نے خود بھی اللہ سے دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور وہ نابینا، بینا ہوگیا۔

جبکہ محل نزاع مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ یا کسی بھی شخص اور ذات کو وسیلہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ اس روایت میں یا دیگر کسی بھی روایت میں حضورؐ کی ذات کو وسیلہ بنانا مذکور نہیں وگرنہ اس اندھے شخص کو تکلیف اٹھا کر آپؐ کی مجلس میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہی یہ دعا کرلیتا کہ ''یا اللہ! اپنے نبی کے جاہ ومقام کے وسیلے سے میری بینائی لوٹا دے۔'' لیکن اس نے ایسا نہیں کیا......!''

<u>حدیث اعمیٰ پر شاہ ولی اللہ صاحب کا تبصرہ:</u> آپ فرماتے ہیں کہ

''اس حدیث میں دو طریق غیر صحیح ہیں: اقبح اور قبیح۔ اوّل الذکر بہت برا اس لئے ہے کہ گور پرستوں نے بزعم خود یہ سمجھا ہے کہ بزرگوں کی روحوں کو پکارنا اور حاجت براری کی درخواست کرنا سنت اور مستحب ہے۔ مگر یہ گناہ کو حلال تصور کرتا ہے اور گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ آخر الذکر اس لئے برا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اپنی حاجتوں میں نیک روحوں کو پکارنا اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بزرگوں کو خدا کے ہاں سفارشی بنانا اور سفارش کو اپنے حق میں مقبول سمجھنا درست ہے مگر یہ اُمور دین میں بغیر اذنِ شارع، اس رائے سے اباحت اور جواز پیدا کرنا ہے اور یہی وجہ اصل برائی کی ہے۔'' فرمانِ خداوندی ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لئے شرع مقرر کی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں اذن نہیں دیا۔''

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ﴾

''انہوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں اگرچہ یہ سفارشی نہ کسی چیز کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی سمجھتے ہیں۔ (پھر بھی ان کو سفارشی بناتے ہیں)'' (الزمر:۳۹)

بعض لوگ انتہائی ضلالت میں ہیں۔ شافع اور مشفوع میں فرق نہ کرتے ہوئے یا شیخ عبدالقادر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیلانی شیئاً للہ کہتے ہیں۔ اس کلام میں خدا کو سفارشی اور جیلانیؒ کو دینے والا بنایا ہے اور واقعہ اس کے برعکس ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے حاجت چاہنا خدا کو کمزور سمجھنا ہے اور مخلوق کو قوی اور دانا خیال کرنا ہے۔ معاذ اللہ! (بلاغ المبین: صفحہ ۶۱)

اس حدیث سے متعلق ایک اور واقعہ بھی اس رسالہ میں مذکور ہے، جو یوں ہے کہ

''ایک صاحب کسی مقصد کے لئے حضرت عثمانؓ سے ملنا چاہتے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ انہوں نے حضرت عثمان بن حنیفؓ سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا مانگو: ''اللهم إني اسئلك ...... الخ'' انہوں نے یہ عمل کیا، نہ صرف حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کی حاجت پوری کردی بلکہ فرمایا کہ جب کوئی کام ہو تو میرے پاس آجانا۔ یہ صاحب واپسی پر حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملے اور شکریہ ادا کیا کہ آپ کی سفارش سے میرا کام ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا: میں نے سفارش بالکل نہیں کی، میں نے تو تمہیں وہ عمل بتایا تھا جو نبی کریم ﷺ نے نابینا صحابی کو تعلیم فرمایا تھا۔ (ملخصاً از المعجم للطبرانی: صفحہ ۱۰۳)

قادری صاحب نے اس روایت میں بھی علمی خیانت کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ روایت امام طبرانی کی کتاب 'الدعاء' کے حوالے سے ذکر کی ہے لیکن خود امام طبرانی کے ان الفاظ کو...... "وهم عون في الحديث وهما فاحشا" (عون بن عمارہ راوی نے اس حدیث میں فحش غلطی کی ہے)...... پی گئے ہیں کیونکہ یہیں سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ یہ گذشتہ روایت ہی ہے جس میں مذکورہ واقعہ کا اضافہ ہے اور اس اضافے کو امام طبرانی نے نقل کرنے کے بعد اس کی وضاحت بھی کردی ہے کہ یہ عون بن عمارہ کی فحش غلطی ہے۔ لہٰذا یہ قصہ غیر محفوظ (منکر) ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ روایت درست ہوتی تو پھر آج تک کوئی صحابی، تابعی اور مسلمان نابینا نہیں ہوسکتا تھا بلکہ ہر نابینا اس روایت پر عمل کرکے بصارت حاصل کرلیتا لیکن فی الواقع ایسا نہیں!!

۳۔ قبر مبارک کی چھت پر روشن دان

ابوالجوزاء حضرت اوس بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا۔ اہل مدینہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شکایت کی تو آپؓ نے فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھو اور آسمان کی طرف اس کا روشن دان کھول دو تاکہ اس کے اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اتنی بارش ہوئی کہ سبزہ اگا، اونٹ موٹے ہوگئے اور چربی کی زیادتی کی وجہ سے ان کے جسم پھٹ گئے۔ چنانچہ اس سال کا نام ہی عام الفتق رکھ دیا گیا (دارمی: ۱/۴۳، بحوالہ رسالہ مذکورہ ۵۳)

حدیث کوّہ پر امام ابن تیمیہؒ کا تبصرہ: آپ فرماتے ہیں کہ

"ما روى عن عائشة من فتح الكوة من قبرِ الى السماء لينزل المطر فليس بصحيح ولا يثبت اسناده" (کتاب الرد علی البکری: صفحہ ۶۸)

''حضرت عائشہؓ کے متعلق روایت جس میں قبر مبارک کی چھت میں سوراخ کرنا ذکر ہے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارش ہو، یہ روایت صحیح نہیں اور نہ اس کی اسناد ثابت ہیں۔'' اس حدیث میں درج ذیل سقم ہیں:

① یہ بات یاد رہے کہ دارمی میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات درج ہیں جیسا کہ علامہ عراقی کا بیان ہے کہ ''دارمی میں مرسل، معضل، منقطع اور مقطوع حدیثیں موجود ہیں۔''

② اس کی سند میں ایک راوی محمد بن فضل ابوالقعان بصری ہے۔ جسے آخری عمر میں خلل دماغ اور نسیان واقع ہوگیا تھا (الکواکب النیرات: ۵۲ اور تقریب: ۳۱۵) دوسرا راوی سعید بن زید ہے۔ میزان (۱۳۸/۲) میں اس کو 'ضعیف'، کاشف میں امام ذہبیؒ نے 'غیر قوی' اور خلاصہ میں امام نسائی نے 'غیر قوی' قرار دیا ہے۔ الکامل (۱۲۱۲/۳) اور تہذیب التہذیب (۳۳/۴) کے مطابق بھی یہ راوی ضعیف ہے۔ تیسرا راوی عمرو بن عبدالمالک النکری ہے۔ اس کے متعلق تقریب (ص ۳۹) میں ہے "له أوهام" (یہ بہت وہمی ہے) چوتھا راوی ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ ہے تقریب میں یرسل کثیرا یعنی وہ درمیان سے راوی چھوڑ جاتا ہے۔

یہ ہے اس حدیث کی اسنادی حیثیت۔ گویا یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے اور دونوں اقسام حدیث کی مردود اقسام میں شمار ہوتی ہیں۔

③ عقائد کے سلسلہ میں حنفی حضرات خبر واحد کو حجت تسلیم نہیں کرتے خواہ وہ حدیث صحیح الاسناد اور مرفوع ہی کیوں نہ ہو جبکہ توسل کا مسئلہ بھی عقائد سے تعلق رکھتا ہے لیکن احناف اس سلسلہ میں اس قدر نیچے اُتر آئے ہیں کہ ضعیف بلکہ موضوع احادیث کو بھی بطورِ حجت پیش کررہے ہیں!! (جاری ہے)

حج و عمرہ اہل حدیث گروپ

پچھلے سال کی طرح اس سال بھی اہل حدیث بھائیوں کیلئے بغیر ایڈوانس عمرہ کی بکنگ جاری ہے!

نئے سعودی نظام کے تحت

- اصل پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی
- کسی بھی ایئر لائن میں سفر کرسکتے ہیں
- پیکج لینا یا نہ لینا آپ کی مرضی
- 3 عدد فوٹو 6×4 ویزہ کمپیوٹر کے ذریعے فوٹو والا لگے گا
- آنے جانے کا ٹکٹ او کے
- عمرے کا ویزہ لگنے کے بعد تین ماہ تک سفر کرنے کی اجازت

خصوصیات برائے عمرہ: حرم اور مسجد نبوی کے نزدیک ترین رہائش · تمام ٹرانسپورٹ ایئر کنڈیشنڈ

- مکہ مکرمہ میں جامعہ اُمّ القری کے پاکستانی طلبا کے ساتھ عمرہ اور زیارت کی رہنمائی ...... ان شاء اللہ

حج کے لیے بھی گروپ بندی ہوگی اور تمام سہولیات کے ساتھ حج کا گروپ بنایا جائے گا...... ان شاء اللہ
امید ہے کہ 30 جون تک حج درخواست شروع ہوجائیں گی۔ ہر ایئر لائن کی ٹکٹ دستیاب ہے

مزید معلومات کے لیے: الحاج میاں آفتاب احمد 0300-8416768 خادم الحجاج: نذیر احمد سبحانی

مہربان انٹرنیشنل 4 فسٹ فلور، ہل ویو آرکیڈ، 5 ڈیوس روڈ، (شملہ پہاڑی)...... ٹورز اینڈ ٹریولز فون 6309831/6309830

© rasailojaraid.com